دابہ کی حقیقت
نظم قرآن کی روشنی میں

عنایت اللہ سبحانی اصلاحی

اللہ تعالی نے قرآن مجید میں فرمایا:

و اذا وقع القول علیہم اخرجنا لہم دابة من الارض تکلمہم أن الناس کانوا بآیاتنا لا یوقنون(۱)

اور جب ہماری بات پوری ہونے کا وقت ان پر آپہنچے گا تو ہم ان کے لئے زمین کا دابہ نکالیں گے جو ان سے کلام کرے گا کہ لوگ ہماری آیات پر یقین نہیں کرتے تھے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھ باتیں پیش آنے سے پہلے نیک اعمال کرلو۔ آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا، دھواں، دجال، دابہ، ہر شخص کے ساتھ اس کا خصوصی معاملہ، عمومی معاملہ۔ (۲)

حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سنی تھی، جو اب تک بھولا نہیں ہوں میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا: تمام نشانیوں میں سب سے پہلے آفتاب کے مغرب سے طلوع ہونے اور چاشت کے وقت دابہ کے نکلنے کی نشانی نمودار ہوگی ان دونوں میں سے ایک پہلے ہوگی اور دوسری اس کے معاً بعد ظاہر ہوگی۔(۳)

اللہ تعالی نے قیامت کے قریب زمین سے دابہ کے نکالنے کی خبر دی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے بھی احادیث میں دابہ کے ظہور کی خبر دی ہے اور اسے قیامت کی علامتوں میں شمار کیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ دابہ کیا چیز ہے؟ کہاں سے نکلے گا؟ اور کب نکلے گا؟

دابہ کی حقیقت
روایات کی روشنی میں

دابہ کے سلسلے میں محدثین اور مفسرین کے درمیان زبردست اختلاف ہے اور ان کے اقوال و آراء میں سخت اضطراب اور تضاد پایا جاتا ہے۔ انھوں نے اپنی کتابوں میں ایسی حدیثیں اور آثار جمع کردئیے ہیں جو باہم متناقض اور متضاد ہیں۔ ان آثار میں سے ایک آدھ کا ذکر ہم یہاں بطور نمونہ کرتے ہیں۔

امام ابن جریر طبری اپنی تفسیر ''جامع البیان،، میں زیر بحث آیت پر گفتگو کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: (۴) حضرت حذیفہ بن یمان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دابہ کا تذکرہ کیا میں نے پوچھا: اللہ کے رسول! دابہ کا خروج کہاں سے ہوگا۔ آپ نے فرمایا: دابہ اس مسجد سے نکلے گا جو اللہ تعالی کے نزدیک سب سے زیادہ محترم ہے۔ حضرت عیسی مسلمانوں کے ساتھ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے ہوں گے اسی اثناء میں زمین ان کے نیچے سے چراغ کی طرح متحرک ہوگی اور مسعی کے قریب صفا پھٹ پڑے گا۔ صفا سے سب سے پہلے دابہ کا سر چمکتا ہوا ظاہر ہوگا اور اس کے جسم پر بال اور اون ہوں گے نہ کوئی پکڑنے والا کبھی اسے پکڑ سکے گا اور نہ کوئی بھاگنے والا اس سے بچ کر نکل سکے گا وہ لوگوں کے ماتھے پر نشان لگا دے گا کہ یہ مومن ہے یا کافر۔ پس مومن کا چہرہ چمکتے ہوئے

ستارے کی طرح ہوگا اور اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان وہ لکھ دے گا ''یہ مومن ہے'' اور کافر کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک سیاہ نقطہ ڈال دے گا کہ ''یہ کافر ہے''

دابہ کے بارے میں اس طرح کے قصوں اور حکایتوں سے تفسیر کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ خوف طوالت سے ہم انہیں قلم انداز کرتے ہیں تفصیل کے طالب کو ان کی طرف مراجعت کرنی چاہئے البتہ اتنی بات ضرور پیش نظر رہے کہ یہ ساری تفصیلات روایت و درایت دونوں حیثیتوں سے محل نظر ہیں یہی وجہ ہے کہ محققین کی ایک جماعت نے ان روایات کو مسترد کردیا ہے اور اپنی کتابوں میں ان کو نقل نہیں کیا ہے چنانچہ سید قطب شہید رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر ''فی ظلال القرآن'' میں اس آیت کے تحت لکھتے ہیں :(٥) ''خروج دابہ کے سلسلے میں بہت سی روایات آتی ہیں، جن میں سے کچھ ہی صحیح ہیں۔ اور ان صحیح روایات میں دابہ کے سلسلے میں کوئی تفصیل نہیں آئی اس سلسلے کی تفصیلات انہی روایات میں ملتی ہیں، جو درجہ صحت سے گری ہوئی ہیں اس لئے ہم انہیں نظر انداز کرتے ہیں بھلا ہمیں اس سے کیا دلچسپی کہ وہ دابہ ستر گز لمبا ہوگا، اس کی داڑھی ہوگی، اس کا سر بیل کے سر جیسا ہوگا، اس کی آنکھ خنزیر کی آنکھ جیسی ہوگی، اس کا کان ہاتھی کے کان جیسا ہوگا، اس کا سینگ بارہ سنگھا کے سینگ جیسا ہوگا، اس کی گردن شتر مرغ کی گردن جیسی ہوگی، اس کا سینہ شیر کے سینہ جیسا ہوگا، اس کا رنگ تیندوے کے رنگ جیسا ہوگا، اس کی کمر بلی کی کمر جیسی ہوگی، اس کی دم سینڈھے کی دم جیسی ہوگی، اس کے پیر اونٹ کے پیر جیسے ہوں گے۔ اسی طرح اور دوسرے اوصاف جنھیں مفسرین نے بڑی فراخدلی سے نقل کیا ہے اور ان قصوں کے وہ بڑے دلدادہ نظر آتے ہیں۔ ہمارے لئے

صرف نص قرآنی اور حدیث صحیح کافی ہے - جن سے ہمیں صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ دابہ کا خروج قیامت کی علامتوں میں سے ہے،،۔

علامہ آلوسی اپنی تفسیر ''روح المعانی،، میں تحریر فرماتے ہیں -(٦)

''صاحب بحر نے لکھا ہے کہ دابہ کی حقیقت و ماہیت، شکل و صورت، محل، خروج، تعداد، مقدار اور لوگوں کے ساتھ اس کے معاملہ کی نوعیت کے بارے میں راویوں میں سخت اختلاف ہے اور ان کی روایتوں میں باہم اضطراب اور تعارض پایا جاتا ہے ہم نے انھیں نظر انداز کردیا ہے اس لئے کہ ان تمام روایتوں کو نقل کرنا ایک غلط بات کے لئے صفحے سیاہ کرنا اور وقت ضائع کرنا ہوگا،، صاحب بحر کی یہ بات بالکل صحیح اور مبنی بر حقیقت ہے لیکن میں نے ان میں سے چند کو صرف اس لئے نقل کردیا ہے تاکہ جو لوگ اس طرح کے قصوں اور روایتوں کے دلدادہ ہوتے ہیں قطع نظر اس سے کہ وہ صحیح ہوں یا غلط، انھیں تسکین ہوجائے۔ سفارینی نے اپنی کتاب ''البحور الزاخرہ،، میں ان متعارض روایات کو جمع کرنے اور ان کے درمیان تطبیق پیدا کرنے کی انتہائی کوشش کی ہے لیکن ہمارے خیال میں ان کی یہ کوشش بالکل ہی ناکام رہی،،۔

یہ سطریں پڑھ کر ہمیں بے انتہا مسرت ہوئی کہ ایک واضح حقیقت پر جو دبیز چادر پڑی ہوئی تھی وہ اٹھ گئی۔ اس سلسلے میں خود علامہ آلوسی کے طرز عمل کو دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ جب علامہ آلوسی اور صاحب بحر دونوں کے خیالات میں مکمل ہمہ آہنگی ہے تو پھر صاحب بحر کی روش اختیار کرنے سے علامہ موصوف نے کیوں پہلو تہی اختیار کی۔ کیسے وہ اس طرح کی لاطائل باتوں میں صفحے سیاہ کرنے اور وقت ضائع کرنے پر راضی ہوئے، کیسے ان کے ذوق سلیم نے اجازت دی کہ وہ ان روایات کو محض ان

حضرات کی ذہنی آسودگی کے لئے نقل کریں جن کو اس طرح کی بے حقیقت اور پادر ہواباتوں کا چسکا لگ جاتا ہے۔ علمی دنیا میں موصوف کو جو مقام حاصل ہے اس کے شایان شان تو یہی تھا کہ وہ صاحب بحر کی روش اختیار کرتے اور اس طرح کی روایات کی طرف ذرا بھی التفات نہ کرتے۔

یہ بڑی عجیب بات ہے اور دنیائے تفسیر کا زبردست المیہ ہے کہ ہمارے ائمہ تفسیر و حدیث نے اپنی کتابوں میں ہر طرح کی رطب و یابس اور صحیح و منکر روایتوں کو جگہ دے دی ہے اور اس طرح انھوں نے غیر شعوری طور پر قرآن فہمی کی راہ میں زبردست رکاوٹ پیدا کردی ہے چنانچہ ترجمان القرآن امام حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''التکمیل فی اصول التاویل'' میں تحریر فرماتے ہیں :(۷)

''ضعیف روایات کی تعداد بہت ہے اور تفسیر کے سلسلے میں لوگوں نے انھی پر اعتماد کیا ہے اس طرح تفسیر کی کتابیں یہودی حکایات، اسرائیلی خرافات اور موضوع روایات سے بھر گئی ہیں اس لئے اس سلسلے میں بڑے حزم و احتیاط کی ضرورت ہے، نقد و جرح کے بعد صحیح روایتوں کو لیا جائے، قرآن مجید میں غور و فکر کی عادت ڈالی جائے اور بغیر صحیح و سقیم میں فرق کئے کسی منقول تاویل پر اعتماد نہ کرلیا جائے۔

کیونکہ جو روایات منقول ہیں ان میں سے بیشتر ضعیف ہیں اور ایک دوسرے سے متعارض، بلکہ ظاہر قرآن سے بھی متعارض ہیں تو کیا ان پر اعتماد کر لیا جائے اور خود قرآن مجید میں غور و فکر نہ کیا جائے ؟''

اس میں شبہہ نہیں کہ اگر لوگ قرآن مجید میں غور و فکر سے کام

لیتے اور قرآن مجید کی آیتوں کے معانی سمجھنے میں خود اسی پر اعتماد کرتے اور اس کے معروف اسالیب پر نظر رکھتے جیسا کہ سلف صالحین کا طریقہ تھا اور اس میں اس حیثیت سے غور کرتے کہ یہ ایک کتاب حکیم ہے جو فصاحت و بلاغت، اسلوب بیان، طرز ادا اور نظم و ترتیب کے اعتبار سے اپنی نظیر نہیں رکھتی، جس نے اپنی بے پناہ تاثیر اور اپنے اعجاز بیان کا سکہ عرب و عجم سب پر بٹھا دیا اور ان میں سے کوئی بھی اس کے چیلنج کا جواب نہ دے سکا گو کہ یہ کتاب تئیس (۲۳) سال کی طویل مدت میں اور مختلف حالات اور اوقات کے اندر تھوڑی تھوڑی کرکے نازل ہوئی ہے لیکن یہ نظم و ترتیب اور حسن مناسبت کا بہترین شاہکار ہے، اس کی آیتیں اور سورتیں ہار کے موتی اور انگوٹھی کے نگینے کی طرح باہم جڑی ہوئی ہیں کہ انہیں ان کے مقام سے مقدم یا مؤخر نہیں کیا جا سکتا۔

لوگ اگر اس کتاب حکیم کو اس کا صحیح مقام دیتے اور اس کی باگ ضعیف و سقیم روایات کے ہاتھ میں نہ دیتے بلکہ روایات کو آیات کی روشنی میں پرکھتے اور ان آیات کا وہی مفہوم متعین کرتے جن سے ان کا نظم تہ و بالا نہ ہو تو بہت سے باہمی اختلافات اور مناظرے جو امت مرحومہ کے زوال کا سبب بنے ہیں، ان سے نجات مل جاتی اور تمام مشکلات آسان ہوجاتیں اس لئے کہ قرآن مجید پر غور کرنا اور اس کی آیات کو سمجھنا نظم و ترتیب کی معرفت کے بغیر ناممکن ہے۔

قرآن مجید کا طالب علم جب آیات کی مختلف بیشمار تاویلیں، متضاد اقوال اور متعارض روایات کو دیکھتا ہے تو اس کی حیرت کی انتہا نہیں رہتی اور ٹھٹھک کر کھڑا ہوجاتا ہے ایسی حالت میں نظم ہی وہ رہنما ہوتا ہے جو اس گم کردہ راہ کی رہبری کرتا ہے اور یہی وہ نشان راہ ہوتا ہے جو اس راہ

کے مسافر کو منزل مقصود تک پہنچاتا ہے اگر نظم و ترتیب کی روشنی میں ہم آیات کے مطالب پر غور کریں تو ان کے صرف ایک ہی معنی متعین ہوں گے دوسرے معنی کے احتمالات ختم ہو جائیں گے۔

صاحب مضمون نے اس موقع پر مثالوں کے ذریعہ پوری تفصیل سے یہ بات ثابت کی ہے کہ ایک طالب قرآن جب نظم قرآن سے غافل ہوجاتا ہے، اور فہم قرآن اور تفسیر قرآن کے سلسلے میں ضعیف روایات پر تکیہ کر لیتا ہے، تو وہ کتنی حیرانیوں سے دوچار ہوتا ہے، اور کلام کے اصل مفہوم سے کتنی دور جا پڑتا ہے چونکہ یہ بحث بجائے خود کافی لمبی ہے اس لئے طوالت کے خوف سے ہم اس حصے کو حذف کرکے اصل موضوع پر آتے ہیں۔

دابہ کی حقیقت نظم قرآن کی روشنی میں

اب آئیے، انہی اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے زیر بحث آیت پر غور کریں، اس کے لئے ضروری ہوگا کہ ہم اس آیت کے سیاق و سباق اور پیش و عقب کو بھی سامنے رکھیں، کہ یہی چیز اس آیت کا صحیح مفہوم متعین کرنے میں ہماری مدد کرے گی۔ لہذا ہم وہ پورا مجموعہ آیات آپ کے سامنے رکھ دیتے ہیں، ارشاد ہے :(۸)

”قل لا یعلم من فی السماوات والارض الغیب الا اللہ وما یشعرون أیان یبعثون بل ادارك علمهم فی الآخرة بل هم فی شك منها بل هم منها عمون۔ وقال الذین کفروا أ اذا کنا ترابا و آباؤنا أئنا لمخرجون لقد وعدنا هذا نحن و آباؤنا من قبل ان هذا الا اسا طیر الاولین“۔

ان سے کہو، اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں کوئی غیب کا علم نہیں رکھتا اور وہ نہیں جانتے کہ کب وہ اٹھائے جائیں گے بلکہ آخرت

کا تو علم ہی ان لوگوں سے گم ہو گیا ہے بلکہ یہ اس کی طرف سے شک میں ہیں، بلکہ یہ اس سے اندھے ہیں یہ منکرین کہتے ہیں کیا جب ہم اور ہمارے باپ دادا مٹی ہو چکے ہوں گے تو ہمیں واقعی قبروں سے نکالا جائے گا؟ یہ خبریں ہم کو بھی بہت دی گئی ہیں اور پہلے ہمارے آباء و اجداد کو بھی دی جاتی رہی ہیں، مگر یہ بس افسانے ہی افسانے ہیں، جو اگلے وقتوں سے سنتے چلے آرہے ہیں،،۔

''و یقولون متی ھذا الوعد ان کنتم صادقین قل عسی ان یکون ردف لکم بعض الذی تستعجلون،،۔

وہ کہتے ہیں کہ یہ دھمکی کب پوری ہوگی اگر تم سچے ہو؟ کہو کیا عجب ہے کہ جس عذاب کے لئے تم جلدی مچا رہے ہو اس کا ایک حصہ تمہارے قریب ہی آلگا ہو۔

''واذا وقع القول علیھم اخرجنا لھم دابۃ من الارض تکلمھم ان الناس کانوا بایاتنا لا یوقنون ۔ و یوم نحشر من کل امۃ فوجاً ممن یکذب بایاتنا فھم یوزعون ۔ حتی اذا جاؤا وقال أکذبتم بایاتی ولم تحیطوا بھا علماً اما ذا کنتم تعملون و وقع القول علیھم بما ظلموا فھم لا ینطقون ۔،،

اور جب ہماری بات پوری ہونے کا وقت ان پر آپہنچے گا تو ہم ان کے لئے زمین کا دابہ نکالیں گے جو ان سے کلام کرے گا کہ لوگ ہماری آیات پر یقین نہیں کرتے اور ذرا تصور کرو اس دن کا جب ہم ہر امت میں سے ایک فوج کی فوج ان لوگوں کی گھیر لائیں گے جو ہماری آیات کو جھٹلایا کرتے تھے پھر ان کو (ان کی اقسام کے لحاظ سے درجہ بدرجہ) مرتب کیا جائے گا یہاں تک کہ جب سب آجائیں گے

تو (ان کا رب ان سے) پوچھے گا کہ تم نے میری آیات کو جھٹلایا حالانکہ تم نے ان کا علمی احاطہ نہ کیا تھا ؟ اور ان کے ظلم کی وجہ سے عذاب کا وعدہ ان پر پورا ہو جائے گا تب وہ کچھ بھی نہ بول سکیں گے ۔

’’و یوم ینفخ فی الصور ففزع من فی السماوات و من فی الارض الا من شاء اللہ و کل أتوہ داخرین ۔،،

اور کیا گزرے گی اس روز جب کہ صور پھونکا جائے گا اور ہول کھا جائیں گے وہ سب جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سوائے ان لوگوں کے جنہیں اللہ اس ہول سے بچانا چاہے گا اور سب کان دبائے ان کے حضور حاضر ہوں گے ۔

آپ ان آیات پر غور کریں ، دابہ اور دابہ کے خروج کے سلسلے میں آنے والے تمام آثار کا مطالعہ کریں اور پھر یہ دیکھیں کہ کیا یہ آثار ان آیتوں کی موافقت کرتے ہیں؟ یا کیا نظم کلام کو باقی رکھتے ہوئے ان آثار کو تسلیم کیا جا سکتا ہے ؟ ۔

یہ بات ذہن میں رہے کہ سورہ نمل ایک مکی سورہ ہے اور یہ آیتیں ہجرت کے قبل مکہ میں نازل ہوئی ہیں ، اس سورہ کے مخاطب اصلاً کفار قریش اور ان کے پیچھے کفار یہود ہیں جو اپنی ریشہ دوانیوں اور دسیسہ کاریوں سے ہمیشہ تحریک اسلامی کو زک دینے کی کوشش میں رہتے تھے ۔

اس سورہ میں استکبار اور رسول کی تکذیب کے ہولناک نتائج سے آگاہ کیا گیا ہے اور اس سلسلے میں بعض قوموں کی ہلاکت و تباہی کی داستان سنائی گئی ہے اور عذاب الہی سے ڈرایا گیا ہے آپ بتائیں کہ قیامت کے قریب کسی جانور

کا خروج موجودہ کافروں کے لئے کیا تنبیہ بن سکتا ہے جب کہ وہ اپنی قبروں میں سو رہے ہونگے اور انکو دابہ کے نکلنے کا احساس بھی نہ ہوگا ؟ آخر اس دابہ کے خروج کا ان سے کیا تعلق؟ اور دابہ کے نکلنے یا نہ نکلنے سے انہیں کیا دلچسپی؟ وقوع جزاء و سزاء پر یہ دابہ ان کیلئے کیسے دلیل بن سکتا ہے اور اگر دلیل نہیں بن سکتا تو قرآن مجید نے اس موقع پر دابہ کا ذکر کیوں کیا ؟ ۔

پھر قرآن مجید یہ نہیں کہتا کہ دابہ کا خروج قیامت کے قریب ہوگا اور وہ علامت کے طور پر ظاہر ہوگا بلکہ وہ اس کی خبر دیتا ہے کہ دابہ اس وقت نکلے گا جب قیامت آجائے گی اب سوال یہ ہے کہ روایات اور اس آیت کے درمیان جمع کی کیا شکل ہوگی ؟ اور ان کے درمیان تطبیق کی کیا صورت بنے گی ؟ ۔

پھر وہ یہود و مشرکین جن کی ہر آن تمنا رہتی تھی کہ وہ کیسے نبی کا استہزاء کریں اور آیات کا مذاق اڑائیں اور اس طرح تحریک اسلامی کے بڑھتے ہوئے سیل پر بند لگا سکیں ، وہ اس پر کیسے سکوت اختیار کرتے ۔ جس جانور کی یہ شکل و صورت ہو ، جس کے ساتھ حضرت موسی کا عصا اور حضرت سلیمان کی انگوٹھی ہو اور جو مؤمنین کے چہروں کو روشن کردے گا اور مشرکین کے چہروں کو سیاہ، اس کو اپنے مذاق کا ہدف بنانے ، اور اپنی ناپاک خواہشات کی تکمیل کرنے کیلئے اس سے زیادہ عمدہ موقع انہیں ہاتھ نہیں آسکتا تھا آپ بتائیں کہ کیا ایسا قرآن مجید کی حکمت و مصلحت کے مطابق ہوتا ؟ جب کہ دعوت اسلامی کی پوری تاریخ میں ہمیں کہیں نہیں ملتا کہ کفار و یہود نے اس دابہ کا مذاق اڑایا ہو۔

ان تمام قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن مجید نے جس دابہ کا ذکر کیا ہے وہ اس دابہ سے یکسر مختلف ہے جس کی تفصیل روایات میں آئی ہوئی ہے اور جن روایات کو ائمہ حدیث و تفسیر نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے لیکن سوال یہ ہے

کہ پھر یہ کون سا دابہ ہے جس کا ذکر قرآن مجید نے کیا ہے اور اس کے کیا اوصاف ہیں؟

ہمارے نزدیک ''دابة من الارض،، میں دابة سے مراد خود ''ارض،، یعنی زمین ہے اور ''من الارض،، میں ''من،، بیان کا ہے یہ عربی زبان کا بہت ہی معروف اسلوب ہے قرآن مجید اور کلام عرب دونوں میں اس کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں اللہ تعالی نے سورہ اعراف میں فرمایا ہے : (۹)

ان الذین اتقوا اذا مسهم طآئف من الشیطان تذکروا فاذا هم مبصرون۔

جو لوگ خداترس ہیں جب ان کو کوئی شیطانی چھوت لاحق ہونے لگتی ہے وہ خدا کا دھیان کرتے ہیں اور دفعةً ان کے دل روشن ہو جاتے ہیں۔

یہاں ہمارے نزدیک ''من الشیطان،، میں ''من،، بیان کیلئے آیا ہوا ہے اور ''طائف،، سے مراد خود شیطان ہے گویا مفہوم کے لحاظ سے ہم اسی جملے کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں: ''اذا مسهم طآئف وهوالشیطان ،، جیسا کہ سورہ ص میں آیا ہوا ہے:(۱۰)

اذ نادی ربه انی مسنی الشیطان بنصب و عذاب۔

جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ شیطان نے مجھے سخت تکلیف اور عذاب میں ڈال دیا ہے۔

اسی طرح سورہ یوسف کے آخر میں فرمایا : (۱۱)

أفأمنوا ان تأتیهم غاشیة من عذاب الله او تأتیهم الساعة بغتة وهم لا یشعرون۔

کیا یہ لوگ اس بات سے نچنت ہیں کہ ان پر عذاب الہی کی کوئی آفت یا قیامت ہی اچانک آدھمکے اور وہ اس سے بالکل بےخبر ہوں۔

اس آیت میں بھی ''من عذاب اللہ،، میں ''من،، بیان کیلئے آیا ہوا ہے اور ''غاشیہ،، سے مراد ''عذاب اللہ،، ہے گویا پوری آیت اس طرح ہوئی ''أفأمنوا ان تأتیہم غاشیۃ وھی عذاب اللہ او تاتیہم الساعۃ،،

تابط شرا اپنے چچا زاد بھائی شمس بن مالک کی مدح کرتے ہوئے کہتا ہے: (١٢)

اذا حاص عینیہ کری النوم لم یزل له کالئی من قلب شیحان فاتک

(ترجمہ) جب غنودگی اسکی آنکھوں کو سی دیتی ہے تو ایک ہوشیار اور جری شخص کا دل اسکی پاسبانی کرتا ہے۔

اس شعر میں شاعر نے ''من کالئی،، میں ''من،، بیان کیلئے استعمال کیا ہے اور ''کالئی،، سے مراد قلب کو لیا ہے۔ اسی طرح ایک حماسی شاعر کہتا ہے: (١٣)

واعسر احیانا فتشتد عسرتی وادرک میسور الغنی و معی عرضی
و ما نالها حتی تجلت واسفرت اخو ثقة منی بقرض ولا فرض

(ترجمہ) کبھی کبھی میں سخت تنگدست ہو جاتا ہوں اسکے بعد خوشحال ہو جاتا ہوں درآنحالیکہ میری عزت و آبرو محفوظ ہوتی ہے۔ کیونکہ مجھ جیسے قابل اعتماد شخص نے اس عسرت کی حالت میں نہ کسی سے قرض لیا نہ کسی سے عطیہ لینا گوارا کیا۔

اس شعر میں بھی ''منی،، میں ''من،، بیان کیلئے آیا ہوا ہے اور ''اخوثقہ،،

سے شاعر نے اپنے آپ کو مراد لیا ہے۔ یہ اسلوب کلام عرب میں شائع و ذائع ہے اور ہمارے نزدیک آیت میں بھی یہی اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔

''واذا وقع القول علیہم اخرجنا لہم دابة من الارض تکلمہم ان الناس کانوا بایاتنا لا یوقنون''۔

یعنی ان کافروں پر اللہ تعالی کی عنایت اور مہربانی ہے کہ انہیں مہلت دیئے ہوئے ہے اور عذاب رکا ہوا ہے اور یہ خدا کی زمین پر خدا کی حکومت سے باغی ہو کر دندناتے پھر رہے ہیں تاکہ اس دوران میں یہ لوگ اپنی شرارتوں سے باز آجائیں لیکن افسوس ہے کہ اس موقع کو یہ غنیمت نہیں سمجھتے اور اس کی قدر نہیں کرتے جب انکی یہ فرصت اسہال ختم ہو جائے گی اور قیامت آجائے گی تو اس وقت ہم زمین کو سامنے لائیں گے اور وہ گواہی دے گی کہ یہ ہماری آیات کو جھٹلاتے تھے۔

یہ زمین جو اس وقت ایک جامد شئی کی طرح پڑی ہے اور بے حس و حرکت ہے قیامت کے روز یہ زندہ شکل میں سامنے آئے گی، یہ اس روز بول رہی ہوگی، اور ہمارے سارے کرتوتوں کی گواہی دے رہی ہوگی۔ ایک دوسرے موقعہ پر قرآن مجید نے اسکو بالکل کھول دیا ہے:

''اذا زلزلت الارض زلزالہا واخرجت الارض اثقالہا و قال الانسان مالہا یومئذ تحدث اخبارھا بان ربک او حی لہا یومئذ یصدر الناس اشتاتا لیروا اعمالہم فمن یعمل مثقال ذرة خیرا یره و من یعمل مثقال ذرة شرا یره۔''

(ترجمہ) جب زمین میں بھونچال ڈالا جائے گا اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال دے گی اور آدمی کہیں گے اسے کیا ہوگیا ہے؟ اس دن وہ اپنے واقعات کہہ سنائے گی کہ تیرے خداوند نے اس کے دل میں ڈالا پس اسی دن لوگ نکلیں گے الگ

الگ کہ انہیں ان کے اعمال دکھائے جائیں گے پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی وہ اسے دیکھ لے گا۔

اس روز زمین تمام رازھائے سربستہ کو فاش کرے گی اور لوگوں کے حق میں یا ان کے خلاف گواھی دے گی جس طرح کہ انسان کے اعضاء خود انسان کے خلاف یا اس کے حق میں گواھی دیں گے جیسا کہ قرآن نے اسکی تصریح کی ھے (۱۴):

و یوم یحشر اعداالله الی النار فھم یوزعون حتی اذا ما جاؤھا شھد علیھم سمعھم وابصارھم و جلودھم بما کانوا یعملون وقالوا لجلودھم لم شھدتم علینا قالوا انطقنا الله الذی انطق کل شئی وھو خلقکم اول مرۃ والیه ترجعون۔

اور ذرا اس وقت کا خیال کرو جب الله کے یہ دشمن دوزخ کی طرف جانے کیلئے گھیر لئے جائیں گے ان کے اگلوں کو پچھلوں کے آنے تک روک رکھا جائے گا پھر جب سب وھاں پہنچ جائیں گے تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کے جسم کی کھالیں ان پر گواھی دیں گی کہ وہ دنیا میں کیا کچھ کرتے رھے ھیں وہ اپنے جسم کی کھالوں سے کہیں گے تم نے ھمارے خلاف کیوں گواھی دی ؟ وہ جواب دیں گی ھمیں اسی خدا نے گویائی دی ھے جس نے ھر چیز کو گویا کردیا ھے اس نے تم کو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اور اب اسی کی طرف تم واپس لائے جارھے ھو۔

دیکھا آپ نے ، نظم کلام کی رعایت اور قرآن کی آیتوں میں غور کرنے

کی وجہ سے ہمیں ان بے اصل باتوں سے کیسے نجات مل گئی اور مفسرین کی تاویل سے آیت میں جو اقتضاب معلوم ہو رہا تھا وہ کس طرح ختم ہو گیا اور یہ تمام آیتیں ایک مناسب ترتیب اور ایک عمدہ مناسبت سے جڑ گئیں جبکہ مفسرین کی تاویل اختیار کرنے اور روایات پر یقین کرنے سے یہ آیت ایک متشابہ اور غیر عقلی بن کر رہ جاتی ہے۔

ہو سکتا ہے کسی کو خیال ہو کہ اگر یہ آیت قرآن مجید اور کلام عرب کے ایک معروف اور کثیر الاستعمال اسلوب کے مطابق آئی تھی اور اس کا مفہوم بالکل واضح اور سیدھا تھا تو ہمارے ائمہ تفسیر کی نظروں سے کیوں اوجھل رہا اور ان کا اخاذ ذہن اس تاویل کا سراغ نہ لگا سکا تو ہمارے نزدیک اس کے دو سبب ہیں:

پہلا سبب یہ ہے کہ جب ان حضرات نے اپنے سامنے موضوع روایات اور آثار کا ایک انبار دیکھا تو پھر وہ دابہ کے سلسلے میں مزید تحقیق کرنے کے روادار نہ ہوئے انہیں روایات پر مکمل اطمینان ہوگیا اور آیات پر غور و فکر کرنے کی نہ انہوں نے کوئی ضرورت سمجھی اور نہ اس معاملہ میں عقل ودرایت کو دخل دینے کیلئے کوئی گنجائش پائی، عام طور پر قرآن مجید کی تفسیر میں مفسرین کو اسی طرح کے مواقع پر دھوکا ہوا ہے یہ اس کی تفصیل کا موقعہ نہیں ہے اگر توفیق ایزدی شامل حال رہی تو ہم کسی دوسرے موقع پر اس پر مفصل گفتگو کریں گے۔

دوسرا سبب خود لفظ ''دابہ'' ہے جس نے ہمارے مفسرین کو غلط فہمی میں ڈال دیا انہوں نے ان روایات کو دیکھا تو یہیں سے ان کا ذہن متاثر ہوگیا پھر قرآن مجید میں جب لفظ ''دابہ'' ان کے سامنے آیا تو ان کا یہ شبہہ یقین

میں تبدیل ہو گیا انہیں یہ غلط فہمی ہوئی کہ اس لفظ کا اطلاق چوپائے ہی پر ہوتا ہے اور اس طرح ان کو یقین ہوگیا کہ روایتوں میں جس جانور کا تذکرہ آیا ہے، آیت میں وہی جانور مراد ہے حالانکہ دابہ کا لفظ صرف چوپائے ہی کیلئے نہیں آتا بلکہ ہر اس چیز کیلئے آتا ہے جو زمین پر رینگتی ہو اور جس میں حس و حرکت ہو۔ چڑیاں، پرندے ، درندے،چوپائے ، حشرات الارض اور انسان سب کا شمار دابہ میں ہوتا ہے اسی لئے قرآن مجید نے کئی مقامات پر لفظ دابہ انسان کیلئے استعمال کیا ہے:

ان شرالدوآب عند اللہ الصم البکم الذین لا یعقلون(١٥) ۔

اللہ کے نزدیک بد ترین جانور یہ بہرے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔

ان شرالدوآب عند اللہ الذین کفروا فہم لا یومنون(١٦) ۔

بیشک بد ترین جانور اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جنھوں نے کفر کیا اور وہ ایمان نہیں لائے ۔

ما من دابة الاھو آخذ بناصیتہا ان ربی علی صراط مستقیم(١٧) ۔

جتنے بھی جاندار ہیں اس کی پیشانی اسی کی گرفت میں ہے بیشک میرا رب نہایت سیدھی راہ پر ہے ۔

و ما من دآبة فی الارض الا علی اللہ رزقہا (١٨)

زمین کے ہر جاندار کا رزق اللہ ہی کے ذمے ہے۔

واللہ خلق کل دآبة من ماء فمنہم من یمشی علی بطنہ و منہم من یمشی علی رجلین و منہم من یمشی علی اربع (١٩)

اور اللہ نے ہر جاندار ایک طرح کے پانی سے پیدا کیا کوئی پیٹ کے بل چل رہا ہے تو کوئی دو ٹانگوں پر اور کوئی چار ٹانگوں پر۔

ان تمام آیات کے عموم میں انسان بھی داخل ہے خاص طور سے پہلی دو آیتوں میں دابہ سے مراد انسان ہی ہیں پھر سوال یہ ہے کہ اس لفظ کا اطلاق زمین پر کیوں نہیں کیا جا سکتا جب کہ وہ قیامت کے روز ایک زندہ اور جاندار وجود کی شکل میں ہمارے سامنے آئے گی اس روز اس کی خاموش زبان بول رہی ہوگی اور وہ انسانوں کے خلاف یا ان کے حق میں شہادت دے رہی ہوگی۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر ہمارے مفسرین اس لفظ پر غور کرتے اور آیت کے سیاق و سباق پر نظر رکھتےاور آثار و روایات کی کثرت ان کی نگاہوں کو خیرہ نہ کرتی تو یہ واضح تاویل ضرور ان کی سمجھ میں آجاتی اور وہ صحیح حدیثوں پر اکتفا کرتے جو اس تاویل کو لینے میں ذرا بھی رکاوٹ نہیں ڈالتیں ان سارے قرائن کی روشنی میں یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ دابہ سے مراد زمین ہی ہے جو قیامت میں اس طرح آئے گی جیسے کوئی زندہ اور جاندار وجود ہو اس دن وہ گواہی دے گی۔ وہ کافرین کے خلاف شہادت دے گی اور مومنین کیلئے شفاعت کرے گی۔

حوالہ جات

(۱) سورۃ النمل آیت ۸۲۔
(۲) صحیح مسلم کتاب الفتن باب بقیة من احادیث الدجال۔
(۳) ایضاً کتاب الفتن باب ذکر الد جال۔
(۴) تفسیر طبری جلد ۲۰ ص ۱۵، ۱٦ -
(۵) فی ظلال القرآن جلد ۲۰ ص ۲٦ -
(٦) روح المعانی جلد ۲۰ ص ۲۴
(۷) التکمیل فی اصول التاویل ص ۷ ، ۱۹
(۸) سورۃ النمل آیات ٦۵، ٦۸-۷۱، ۷۲، ۸۲، ۸۵، ۸۷ -
(۹) سورۃ الاعراف آیت ۲۰۱

(١٠) سورہ ص آیت ٤١

(١١) سورہ یوسف آیت ١٠٧

(١٢) حماسة ابی تمام شرح التبریزی باب الحماسه

(١٣) ایضاً باب الادب

(١٤) سورہ فصلت آیات ١٩ - ٢١

(١٥) سورہ الانفال آیت ٢٢

(١٦) ایضاً آیت ٥٥

(١٧) سورہ هود آیت ٥٦

(١٨) ایضاً آیت ٦

(١٩) سورة النور آیت ٤٥